



Urdu Studies

An international, peer-reviewed,
bilingual research journal

ISSN: 2583-8784 (Online)

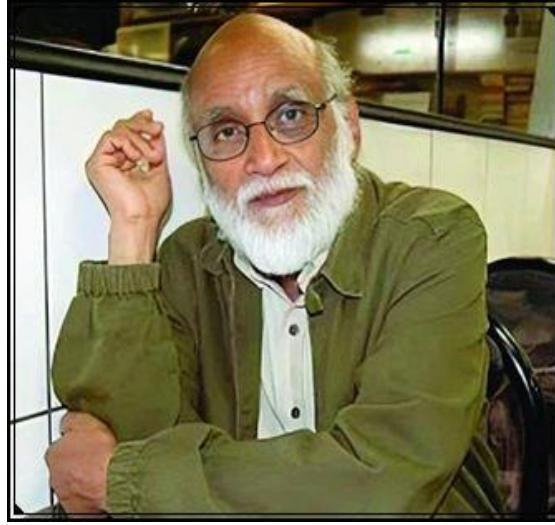
Vol. 5 | Issue 1 | Year 2025

Pages: 15-20

چودھری محمد نعیم

سرور الہدی

چودھری محمد نعیم صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنی تازہ ترین کتاب منتخب مضامین بھجوائی۔ ایک صبح پروفیسر ارجمند آرا کا فون آیا کہ سرور، چودھری صاحب نے آپ کے لیے کتاب بھیجی ہے۔ ایک کتاب قدوائی صاحب کے لیے اور ایک شمیم حنفی صاحب کے لیے بھی ہے۔ شام کو انجمن کے ملازم سے کتابیں مل گئیں اور دوسری صبح کو قدوائی صاحب اور شمیم حنفی صاحب کے گھر بھی پہنچ گئیں۔ کتاب کی اشاعت کی خبر پہلے ہی مل چکی



ISSN: 2583-8784 (Online)

Included in UGC-CARE List since October 2021

Published on August 15, 2025

<http://www.urdustudies.in>

<https://creativecommons.org/licenses/by-nc-nd/4.0/?ref=chooser-v1>

تھی۔ مگر اسے دیکھنے اور پڑھنے کی خواہش فطری طور پر بڑھتی رہی۔ چودھری محمد نعیم صاحب کے مضامین کی یہ پہلی جلد ۱۵ مضامین پر مشتمل ہے۔ اجمل کمال کے ”آج“ نے اسے شائع کیا ہے۔ اس کی اشاعت دہلی میں ہوئی ہے۔ ”آج“ کا لوگو اتنا منفرد ہے کہ وہ صرف آج کا معلوم ہوتا ہے اور پہلی نظر میں اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ چند مضامین کا ترجمہ اور اجمل کمال نے انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے اور بقیہ مضامین براہ راست اردو میں چودھری محمد نعیم صاحب نے قلم بند کیے ہیں۔ ترجمے کی زبان چودھری محمد نعیم صاحب کی زبان سے اتنی قریب آگئی ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ میں پڑھتا چلا گیا اور بعد کو دیکھا کہ یہ تو انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہے۔ اجمل کمال کے یوں تو بہت سے احسانات ترجمے کے حوالے سے ہم اردو کے طالب علموں پر ہیں۔ ان میں اس کتاب کی صورت میں ایک اور اضافہ ہو رہا ہے۔ اول تو چودھری محمد نعیم صاحب کو مضامین کی کتابی شکل میں اشاعت کے لیے تیار کرنا دشوار طلب کام تھا اور پھر اتنی محنت اور سلیقے سے کتاب کو پیش کرنا۔ کمال یہ ہے کہ کتاب میں نہ کوئی پیش لفظ ہے اور نہ ہی شکریہ کی رسم ادا کی گئی ہے۔ کتاب کی پشت پر جو اطلاعات ہیں وہ تحریر اور صاحب تحریر سے متعلق ہیں۔ اس لحاظ سے بھی دیکھیں کہ یہ کتاب اردو میں شائع ہونے والی کتابوں سے خاصی مختلف ہے۔ تحقیقی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو بھی اسے ایک اہم حوالے کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔

البتہ انگریزی مضامین کے حوالوں کے ساتھ اگر اردو مضامین کی اولین اشاعت کا بھی حوالہ آجاتا تو اچھا ہوتا۔ اس کے کئی مضامین جن لوگوں کے مطالعے میں آچکے ہیں انھیں یاد ہو گا کہ نعیم صاحب کو بات کو پھیلانے اور بڑھانے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ان کی زبان اتنی شفاف اور ترسیلی ہے کہ اسے تنقید و تحقیق کا بہترین نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ ادب کے ایک طالب علم کی حیثیت سے ان کا مضمون ”نظیر احمد کا انعامی ادب“ پڑھا تھا اور اس کتاب کی قرات کا آغاز بھی میں نے اسی مضمون سے کیا ہے۔ شمس الرحمن فاروقی نے ”تحفۃ السرور“ میں اس مضمون کو شامل کیا تھا۔ جس کے دیباچے میں فاروقی صاحب نے زور دے کر یہ بات کہی تھی کہ آل احمد سرور کی زبان کے بارے میں لوگ معترض ہوتے ہیں یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اول تو فیصلے کرنا تنقید کے فرائض میں شامل نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ سرور

صاحب کو جو بات کہنی ہوتی ہے اپنے اسلوب میں کہہ دیتے ہیں۔ جب نظیر احمد کا انعامی ادب اسی کتاب میں پڑھا اس وقت بھی احساس ہوا تھا کہ یہ زبان کتنی صاف اور دو ٹوک ہے۔ عام گفتگو میں بھی چودھری نعیم صاحب کو میں نے بہت واضح اور منطقی پایا۔ شمیم حنفی صاحب کے گھر ایک ملاقات میں دوران گفتگو نعیم صاحب نے ٹوکا اور یہ کہا کہ عزیزم یہ بات مکمل کر لیجیے پھر ہم اس موضوع پر آئیں گے۔ انھیں ٹوکے اور روکنے میں وقت نہیں لگتا ہے۔ ان کی شخصیت پر شمیم حنفی نے جو لکھا ہے وہ اس بات کی علامت ہے کہ چودھری صاحب کو اپنی سہولت اور اپنی مرضی کے مطابق نہ لکھوایا جاسکتا ہے اور نہ بولوایا جاسکتا ہے۔ یہ ایک ایسی قوت ہے جس نے چودھری محمد نعیم کو ادبی دنیا میں منفرد بنایا۔ محفل میں بھی کسی کو اگر تنہا دیکھنا ہو تو چودھری صاحب کو دیکھا جاسکتا ہے۔ نزدیک اور دور سے انھیں کچھ دیکھنے کا جو مجھے تجربہ ہے اس میں بظاہر برہمی کا عنصر زیادہ ہے مگر دھیرے دھیرے یہ راز کھلا کہ وہ کتنے علم دوست اور مہربان ہیں۔ ہاں ان کی مہربانی کا انداز بھی زمانے سے میل نہیں کھاتا۔ شمیم حنفی صاحب کو میں نے ایک موقع پر کہا تھا کہ چودھری محمد نعیم کا مضمون ”نظیر احمد کا انعامی ادب“ کلاسک بن چکا ہے تو کہنے لگے ہاں، بالکل۔ صورت یہ ہے کہ ان کا خیال اسی مضمون سے آتا ہے۔ کتاب کو آئے ہوئے تو ابھی چند دن ہوئے ہیں لیکن محسوس ہوتا ہے کہ کتاب کی آمد کا سلسلہ بہت پہلے سے شروع ہو گیا تھا۔ اس سلسلے کو میں صاحب کتاب کی شخصیت سے وابستہ کر کے دیکھتا ہوں۔ جس کا ذکر کسی نہ کسی حوالے سے آتا رہتا ہے۔ آل احمد سرور کی مرتبہ کتاب میں ان کا ایک مضمون احمد ہمیش کی کہانی پر ہے۔ ایک ملاقات میں اس کا ذکر نکل آیا۔ مگر وہ پھر احمد ہمیش کی بات کرنے لگے۔ غالباً یہ پہلا مضمون تھا جو احمد ہمیش پر لکھا گیا۔ چودھری محمد نعیم کی شخصیت کے ان معنوں میں کئی رنگ نہیں ہیں جن معنوں میں ہم یہ فقرہ بے دریغ استعمال کرتے ہیں۔ اردو نثر کے اہم اسالیب کو جتنی توجہ سے انھوں نے دیکھا ہے اس کا علم کم لوگوں کو ہے۔ اس کتاب میں ایک مضمون ایک ادبی جلسہ سازی کی دکھ بھری کہانی ہے۔ جسے انھوں نے شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ اردو میں پاور پوائنٹ کے ساتھ پیش کیا تھا۔ جلسے کی صدارت شمس الرحمن فاروقی نے کی تھی۔ مجھے اس کا علم نہیں تھا کہ میرے مکمل فارسی کلام کا

منثور ترجمہ افضال احمد سید نے کر دیا ہے۔ یہ اطلاع اسی مضمون سے ملی۔ اس کتاب میں کئی ایسے مسائل ہیں جن پر گفتگو کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اور جس کا آغاز میں نے اپنے طور پر اس مختصر تحریر سے کر دیا ہے۔ اجمل کمال کا شکریہ جنہوں نے یہ کتاب شائع کی۔ (تحریر ۱۷ اپریل ۲۰۲۳ء کی)۔

۲

چودھری محمد نعیم کے رخصت ہونے کی خبر ملی تو محسوس ہوا کہ جیسے بارہ بنگی، لکھنؤ اور علی گڑھ سے جو دھول اٹھی تھی وہ امریکہ میں بیٹھ گئی۔ ان کی آواز میں غصے کے باوجود نرمی تھی اور گفتگو میں ٹھہراؤ تھا۔ یہ ٹھہراؤ بھی دراصل فکر و خیال کی دنیا کو رک رک کر دیکھنا تھا۔ ان کے یہاں سوچنے کے عمل میں جو ایک طرح کی بے پرواہی تھی اس سے بھی ان کی شخصیت کا کچھ سراغ مل سکتا ہے۔ جیسے یوں ہی کوئی بات کہنا چاہتے ہوں اور وہ بہت اہم ہو۔ سامنے والے سے لازماً انہیں توقع ہوتی تھی کہ انہیں سنا جائے گا ایک گفتگو ایسی بھی میں نے دیکھی اور سنی ہے کہ جب سوال کرنے والا کسی اور طرف متوجہ ہو گیا تو وہ ناراض ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ انہیں تین مرتبہ دہلی میں قریب سے دیکھا اور سنا۔ یہ تینوں ملاقاتیں شمیم خنی صاحب کے گھر پر ہوئیں۔ پہلی ملاقات خاموشی کی نذر ہو گئی، اس کی وجہ خود میری خاموشی تھی کہ مجھے اس شام صرف انہیں سنا تھا۔ یہ شعوری کوشش تھی تاکہ بغیر کسی رکاوٹ کے ان کے خیالات سے رشتہ قائم کر سکوں۔ یوں بھی ان کے یہاں ایک طرح کا اطمینان تھا۔ بے اطمینانی کا سبب وہ آرزوئیں بھی ہوتی ہیں، جن کی وجہ سے شخصیت مجروح ہوتی ہے۔ سامنے والا محسوس کر سکتا ہے کہ بے چینی کا سبب علم و احساس کی دولت اور اس کی خلوت نہیں بلکہ دنیا داری ہے۔ چودھری محمد نعیم کی پہلی تحریر جو میرے مطالعے میں آئی وہ ماریہ رلکے کے خطوط کا ترجمہ تھا۔ نیا دور لاہور کا کوئی شمارہ تھا۔ شمیم خنی صاحب نے دوسری ملاقات میں میرا تعارف کرایا اور یہ بھی کہا تھا کہ عمر میمن سے ان کی گہری دلچسپی ہے اور ان کے بارے میں انہوں نے کچھ لکھا بھی ہے۔ تعارف تو پہلی ملاقات میں ہو گیا تھا مگر ایک خاموشی تھی جس نے کچھ کہنے کا حوصلہ نہیں بخشا۔ خاموشی دوسری شام میں بھی در آئی تھی، مگر ماریہ رلکے کے خطوط سے متعلق گفتگو شروع ہوئی اور اس نے خاموشی کو فوری

طور پر بے دخل کر دیا۔ مجھے ان خطوط کے بارے میں کچھ کہنا تھا۔ اس سوال کے جواب میں کہ خطوط کیسے لگے۔ کئی سال ہو گئے تھے ان خطوں کو پڑھے ہوئے مگر کچھ یاد تھا جس نے دوسری ملاقات کو میرے لیے بہت اہم بنا دیا۔ یہ گفتگو جاری ہی تھی کہ درمیان میں انہوں نے ٹوکا۔ عام طور پر وہ سنتے ہوئے کہتے تھے کہ اب آپ رک جائیے۔ اچھا تو یہ بتائیے۔ کوئی اور درمیان میں گفتگو کرنے لگتا تو کہتے کہ بھائی ذرا گفتگو کو مکمل ہو جانے دیجیے۔ اپنی بات کہیے گا۔ شمیم حنفی صاحب سے ان کی جو دوستی تھی وہ بے مثال کہی جاسکتی ہے۔ دہلی آنے کے بعد شمیم حنفی صاحب کا گھر تھا جو ملاقاتوں اور باتوں کے لیے مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ استاد محترم پروفیسر صدیق الرحمان قدوائی صاحب نعیم صاحب کے ہم وطن بھی ہیں اور ہم عمر بھی۔ یہ دوسرا گھر تھا جو ان کے لیے بارہ بنگی کہ اس دھول میں کھیلنا اور وہاں سے گزرنا بھی تھا، جسے بہت پہلے چھوڑ آئے تھے۔ مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ وہ دھول امریکہ تک گئی اور وہ تمام عمر موجزن رہی۔ وہ ہندوستان آتے تو اپنے وطن بارہ بنگی ضرور جاتے۔ ان کے دوستوں کا حلقہ کبھی اتنا وسیع نہیں رہا جو عام طور پر دکھائی دیتا ہے۔ طبیعت کی انفرادیت جسے کچھ لوگوں نے سختی کا نام دیا ہے، وہ ان کی طاقت تھی۔ انہیں اپنے مطابق کہنے اور سننے کے لیے آمادہ کرنا بہت مشکل تھا۔ وہ اپنی ہی طرح سوچ سکتے تھے اور اپنی ہی طرح لکھ سکتے تھے۔ انتخاب اور فیصلے کا حق جب انسان دوسروں کے حوالے کر دیتا ہے، تو اس کی حیثیت ایک شے کی ہو جاتی ہے۔ چودھری محمد نعیم کی شخصیت میں نہ کوئی دکھاوا تھا اور نہ مرعوب کرنے کی کوشش۔ جو لوگ امریکہ وغیرہ گئے اور ان کا پس منظر اردو کا لسانی اور تہذیبی معاشرہ تھا، اسے یاد رکھنا بلکہ زندگی کے بیشتر اوقات کو وقف کر دینا ایک واقعہ ہے۔ اردو فارسی کے ساتھ انگریزی کو اظہار کا وسیلہ بنانا ایک طرح کا غرور بھی پیدا کرتا ہے۔ یہ جو غرور ہے وہ رفتہ رفتہ اس لسانی و تہذیبی معاشرے سے دور کر دیتا ہے جس کی بنا پر اسے دیار غیر میں عزت بھی ملی اور شناخت بھی۔ چودھری محمد نعیم کے بارے میں شمیم حنفی صاحب نے جو لکھا ہے وہ نعیم صاحب کو سمجھنے کے لیے ایک بنیادی حوالہ ہے۔ شمیم حنفی صاحب جب ان سے گفتگو کرتے تو بھی یہ خطرہ لاحق ہوتا کہ وہ درمیان میں کچھ کہیں گے اور استفسار کی صورت میں وہ اضافہ کرنا چاہیں گے۔ یہ اضافہ بھی

نہیں ہوتا تھا بلکہ جیسے کوئی خیال اس موضوع کے حوالے سے ذہن میں آیا ہو اور یہ فکر لاحق ہو کہ کہیں کچھ وقت کے بعد رخصت نہ ہو جائے۔ یہ کیسی ادا تھی جو مجھے بہت بھاتی رہی۔ محسوس ہوتا تھا کہ ایک اسکالر اپنی فکر اور اپنے خیال کو دوسرے کی فکر اور خیال کے ساتھ شامل کرنا چاہتا ہے۔ اس معاملے میں ان کا مزاج بہت ہی ذمہ دارانہ تھا۔ لوگ عام طور پر یہ سمجھتے رہے کہ وہ کسی مسئلے کے تعلق سے کسی دریافت کو بہت جلد قبول نہیں کرتے۔ سوال کرنا ان کے مزاج کا حصہ تھا۔ ان کی طبیعت سراغ رسانی کے لیے بہت فعال تھی۔ وہ تحقیق میں بظاہر چھوٹی نظر آنے والی بات کو بھی اہم جانتے تھے۔ دوسری ملاقات کا ایک اہم حوالہ جر جان زیدی کی کتابوں تک رسائی ہے۔ شمیم حنفی صاحب نے نعیم صاحب سے کہہ دیا تھا کہ سرور آپ کے ساتھ جامعہ کی لائبریری جائیں گے۔ لائبریری میں زیدی جر جان کی کئی کتابیں تھیں۔ جب انہوں نے مضمون لکھا تو اس میں میرا بھی ذکر تھا۔ یہ ان کی کیسی تہذیب تھی جو اب تقریباً رخصت ہو گئی ہے۔ لائبریری میں کتابوں کو دیکھتے ہوئے ان کی نگاہ اتنی تیز ہو جاتی کہ جیسے لائبریری سے باہر وہ نگاہ اپنی تیز رفتاری کی منتظر تھی۔ ان کی دوسری تحریر جو میرے مطالعے میں آئی وہ احمد ہمیش کے افسانوں سے متعلق تھی۔ یہ مضمون انہوں نے علی گڑھ کے فکشن سیمینار میں پڑھا تھا۔ دوسری ملاقات میں اس مضمون کا بھی ذکر آگیا تھا۔ احمد ہمیش کے افسانوں پر یہ پہلا مضمون تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی ریسرچ احمد ہمیش پر ہونی چاہیے۔ ذکر میر کا انگریزی میں ترجمہ، ایک اہم واقعہ تھا۔ ذکر میر کا اردو ترجمہ نثار احمد فاروقی کی فارسی دانی ہی نہیں بلکہ ان کی لسانی اور تہذیبی بصیرت کی بھی ایک بڑی مثال ہے۔ وہ کہنے لگے کہ کوئی دوسرا شخص اتنا اچھا ترجمہ نہیں کر سکتا تھا۔ اسی درمیان محمد حسن کا ذکر آگیا۔ اب ان کی طرف سے مکمل خاموشی تھی۔ کہنے لگے کہ وہ میرے استاد ہیں اور میں ان کا بہت احترام کرتا ہوں۔ کلیم عاجز کی شاعری اور شخصیت سے بھی انہیں گہرا لگاؤ تھا۔ وہ امریکہ میں ان سے اپنی ملاقاتوں کا ذکر کرنے لگے۔ اصل میں ان ملاقاتوں کا حاصل تو وہ گفتگوئیں ہیں جن میں ایک ٹھہراؤ بھی تھا اور اپنی شرطوں پر موضوع کے انتخاب کا غور بھی۔